IMPACT FACTOR 5.473(SJIF)
UPA NATIONAL E-JOURNAL
Interdisciplinary Peer-Reviewed IndexedJournal
Volume -8 : Issue-1 (February-2022)
ISSN 2455-4375

فیضؔ کے کلام میں رومانی عنصر

محمد اسرار
اسسٹنٹ پروفیسر

فیضؔ کے متعلق پروفیسر قمر رئیس نے لکھا ہے" فیض کے اکثر قارئین سوچتے رہ جاتے ہیں کہ ان کی شاعری میں یہ تب و تاب فکر میں آفاقیت اور لہجہ میں استقامت کہاں سے آئی؟ بلاشبہ فیض کی اس انفرادیت کے بہت سے سرچشمے ہیں لیکن اس کی اساس کردار و عمل اور احساس و اظہار کی رہ کامل مطابقت ہم آہنگی ہے جو اردو کے بہت کم شعراء کا مقدر بنی ہے۔"
(حوالہ: فیض کے مجموعہ کلام پر قمر رئیس کا ابتدائیہ شائع شدہ ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ ۲۰۰۴ئ)

پروفیسر قمر رئیس نے بالکل درست بات کہی ہے۔ شاعر اپنے کلام میں اپنے تجربات کو پیش کرتا ہے اس بات پر سب متفق ہیں لیکن یہ تجربات کس قدر حقیقت پر مبنی ہوتے ہیں ہم یہ نہیں کہہ سکتے اور نہ ہی کسی شاعر کے کلام سے اس بات کا مکمل احساس ہوتا ہے کہ اس کے کردار و عمل میں کس قدر مطابقت ہے۔

فیضؔ اس معاملے میں دوسرے شعرا سے کچھ مختلف ہیں ان کی نظمیں ان کے تجربات اور کردار و عمل کا مکمل عکس معلوم ہوتی ہیں۔ وہ جس سیاسی ازم کے وفادار تھے اسے اپنی شاعری میں کھلے طور پر پیش کیا کسی بات کو پس پردہ بیان کرنا ضروری نہ سمجھا نہ ہی اپنی کسی بات سے کبھی منحرف ہوئے۔ ان کی انقلابی نظمیں ان کے جذبات کی عکاسی کرتی ہیں۔ فیضؔ صرف نظموں کے شاعر نہ تھے اور نہ انھوں نے صرف انقلابی نظمیں ہی لکھیں بلکہ وہ ایک منفرد درجے کے رومانی شاعر بھی تھے۔ ان کی غزلیں رومانی شاعری کی بہترین مثال ہے۔ کون کس سے عشق کرتا ہے کہا نہیں جاسکتا یہ بات تو صرف عشق کرنے والے کا دل ہی جانتا ہے۔ فیضؔ کہتے ہیں۔

سوزشِ دردِ دل کسے معلوم　　کون جانے کسی کے عشق کا راز
میری خاموشیوں میں لرزاں ہے　میرے نالوں کی گمشدہ آواز

فیض کے مطابق جس طرح نمازوں کا ادا کرنا فرض ہے اسی طرح عشق بھی رفتہ رفتہ ہوس کی سرحد میں داخل ہو جاتا ہے اور پھر اس وقت جو عشق ہوتا ہے وہ فرض کی ادائیگی کے لیے ہوتا ہے اور عشق ہوس کی سرحد میں داخل نہ ہو ایسا کم ہی ممکن ہے۔ دیکھے فیض کا یہ بہترین شعر

ہو چکا عشق اب ہوس ہی سہی　　کیا کریں فرض ہے ادائے نماز

فیضؔ عشق کو دل میں چھپا کر رکھنا اسکی رسوائی سمجھتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ عشق دل میں رسوا ہوتا ہے اور اگر وہ لب پر آجائے تو اس کی رسوائی نہیں ہوتی بلکہ وہ راز ہو جاتا ہے یہ رومانیت کا کتنا بہترین پہلو ہے جس میں شاعر یہ تمنا کرتا ہے کہ اس بے کیف زندگی میں تھوڑی رنگینی آجائے اور یہ رنگینی اس کے افشائے راز سے ہی آسکتی ہے۔ کچھ اس طرح فیضؔ لکھتے ہیں۔

عشق دل میں رہے تو رسوا ہو

لب پے آئے تو راز ہو جائے
عمر بے سود کٹ رہی ہے فیضؔ
کاش افشائے راز ہو جائے

فیض کو محبوب کے بغیر دنیا اداس لگتی ہے۔ وہ محبوب کے وصل کے بغیر دنیا کو بے مزہ خیال کرتے ہیں کہتے ہیں۔

دونوں جہان تیری محبت میں ہار کے
وہ جا رہا ہے کوئی شب غم گزار کے
ویراں ہے میکدہ خم و ساغر اداس ہیں
تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

اور اسی غزل میں وہ اپنی تصوراتی رومانیت سے حقیقت کی طرف واپس آجاتے ہیں کہتے ہیں۔

دنیا نے تیری یاد سے بیگانہ کر دیا
تجھ سے بھی دلفریب ہیں غم روزگار کے

لیکن اسی غزل کا مقطع رومانیت کی ان حدوں تک جاتا ہے جہاں عاشق اپنے محبوب کی صرف مسکراہٹ پر جان دینے کے لیے تیار ہو جاتا ہے کہتے ہیں۔

بھولے سے مسکرا تو دیئے تھے وہ آج فیض
مت پوچھ ولولے دل ناکردہ کار کے

پروفیسر نور الحسن نقوی اپنی تصنیف تاریخ اردو ادب میں فیض کے متعلق لکھتے ہیں۔ ''انھوں نے غزل کی مخصوص علامتیں استعمال ضرور کی ہیں مگر فیض کی غزل میں ان کے معنی الگ ہیں، کہتے ہیں محبوب مگر مراد ہوتا ہے ملک یا قوم۔ کہتے ہیں رقیب مطلب ہوتا ہے ملک و قوم کا دشمن۔ جب ناصح کا ذکر کرتے ہیں تو اشارہ ہوتا ہے ملک دشمن عناصر کی طرف جو ہمدردوں کے روپ میں غلط صلاح دیتے ہیں۔'' (صفحہ نمبر ۲۱۵)

اس سلسلے میں پروفیسر نور الحسن نقوی نے ایک شعر بطور مثال لکھا ہے جو یہ ہے

ہوئی ہے حضرت ناصح سے گفتگو جس شب
وہ شب ضرور سر کوئے یار گزری ہے

لیکن پروفیسر نور الحسن نقوی صاحب کے اس تبصرے اور دیئے ہوئے شعر سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ فیضؔ نے تمام شاعری ہی اسی طرز پر کی ہے۔ وہ خالص رومانی شاعری بھی کرتے تھے۔ آخر کیوں نہ ہو عشق ان کی جوانی کے ابتدائی دنوں سے ان پر حاوی تھا اور وہ عاشق ہی تھے۔ یہ ضرور ہے کہ عمر کے ساتھ ساتھ تجربات بدلتے گئے اور انکی شاعری کا محور و مرکز بھی بدلتا گیا۔ یہ تبدیلی عمر کے ساتھ ہوتی رہتی ہے۔ خود فیض اپنے مجموعہ کلام نقش فریادی کے دیباچے میں رقمطراز ہیں کہ

''شعر لکھنا جرم نہ سہی لیکن بے وجہ شعر لکھتے رہنا ایسی دانشمندی بھی نہیں آج سے کچھ برس پہلے ایک معین جذبے کے زیر اثر اشعار خود بخود وارد ہوتے تھے۔ لیکن اب مضامین کے لیے تجسس کرنا پڑتا ہے، علاوہ ازیں ان نوجوانی کے تجربات کی جڑیں بہت گہری نہیں ہوتیں ہر تجربہ زندگی کے بقیہ نظام سے الگ کیا جا سکتا ہے اور ایک کیمیاوی مرکب کی طرح اس کی ہر ہیت مطالعہ کی جا سکتی ہے اس منفرد اور معین تجربہ کے لیے کوئی موزوں پیرائیہ بیان وضع یا اختیار کر لینا بھی آسان ہے، لیکن اب یہ تمام عمل مشکل بھی دکھائی دیتا ہے اور بیکار بھی، اوّل تو تجربات

ایسے غلط ملط ہو گئے ہیں کہ انھیں علیحدہ علیحدہ ٹکڑوں میں تقسیم کرنا مشکل ہے پھر ان کی پیچیدگی کو دیانت داری سے ادا کرنے کے لیے کوئی تسلی بخش پیرایہ بیان نہیں ملتا۔" بحوالہ: نقش فریادی (صفحہ نمبر ۵)

فیضؔ نے یہ بات کہی تو ضرور ہے لیکن ان کی شاعری سے کہیں بھی یہ بات ظاہر نہیں ہوئی کہ وہ اپنی بات کو تسلی بخش طریقے سے ادا نہ کر سکے نہ صرف رومان بلکہ وہ جس طرح کا حسن چاہتے ہیں اسے بھی انھوں نے نہایت ہی شاندار طریقے سے پیش کیا ہے۔ وہ اپنے محبوب کی تصویر اپنے خیال میں کچھ اس طرح ترتیب دیتے ہیں۔

رسیلے ہونٹ، معصومانہ پیشانی، حسیں آنکھیں
کہ میں اک بار پھر رنگینیوں میں غرق ہو جاؤں
مری ہستی کو تیری اک نظر، آغوش میں لے لے
ہمیشہ کے لیے اس دام میں محفوظ ہو جاؤں
ضیائے حسن سے ظلماتِ دنیا میں نہ پھر آؤں
گزشتہ حسرتوں کے داغ میرے دل سے دھل جائیں
میں آنے والے غم کی فکر سے آزاد ہو جاؤں

نظم کے ان اشعار کو ڈاکٹر ناشر نقوی نے بھی اپنے مضمون میں بطور مثال شامل کیا ہے۔ ڈاکٹر ناشر نقوی نے "رومان اور امکان کے دو معاصر شاعر فیض احمد فیضؔ اور موہن سنگھ" اس عنوان سے ایک بہترین مضمون لکھا ہے جو ایوان اردو میں اگست ۲۰۱۱ء میں شائع ہو چکا ہے۔

دست صبا کے ابتدائیہ میں فیض لکھتے ہیں "ایک زمانہ ہوا جب غالبؔ نے لکھا تھا کہ جو آنکھ قطرے میں دجلہ نہیں دیکھ سکتی دیدۂ بینا نہیں بچوں کا کھیل ہے۔ اگر غالبؔ ہمارے ہمعصر ہوتے تو غالباً کوئی نہ کوئی ناقد ضرور پکار اٹھتا کہ غالبؔ نے بچوں کے کھیل کی توہین کی ہے۔"

نقش فریادی سے دست صبا تک کا سفر فیض کی تخلیقی صلاحیتوں اور تجربات میں تبدیلی کا ثبوت ہے۔ جو رومان پرستی نقش فریادی میں کچھ سطحی لگتی ہے وہ دست صبا تک آتے ہوئے ایک تجربہ کار عاشق اور رومانیت کو پاکیزہ نظر سے دیکھنے والی شخصیت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ یہ اشعار اس بات کے ثبوت ہیں۔

کبھی کبھی یاد میں ابھرتے ہیں نقش ماضی مٹے مٹے سے
وہ آزمائش دل و نظر کی، وہ قربتیں سی وہ فاصلے سے
کبھی کبھی آرزو کے صحرا میں آ کے رکتے ہیں قافلے سے
وہ ساری باتیں لگاؤ کی سی، وہ سارے عنواں وصال کے سے
نگاہ و دل کو قرار کیسا، نشاط و غم میں کمی کہاں کی
وہ جب ملے ہیں تو ان سے ہر بار کی ہے الفت نئے سرے سے

(دست صبا۔ صفحہ نمبر ۱۲)

فیضؔ اپنے محبوب کا احترام کرتے نظر آتے ہیں۔ فیض کی شاعری جب نہایت ہی پختہ دور میں رواں تھی اس وقت وہ اپنے محبوب کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرتے نظر نہیں آتے نہ ہی ہجر کا شکوہ کرتے ہیں بلکہ نہایت احترام کے ساتھ محبوب کو یاد کرتے ہیں اور لطف اندوز ہوتے ہیں۔

غزل کے چند اشعار دیکھیے

تمہاری یاد کے جب زخم بھرنے لگتے ہیں
کسی بہانے تمہیں یاد کرنے لگتے ہیں
حدیث یار کے عنواں نکھرنے لگتے ہیں
تو ہر حریم میں گیسو سنورنے لگتے ہیں
ہر اجنبی ہمیں محرم دکھائی دیتا ہے
جواب بھی تیری گلی سے گزرنے لگتے ہیں

(دست صبا۔ صفحہ نمبر ۳۲)

فیضؔ عالم فراق میں بھی عشق کا مزا لیتے نظر آتے ہیں۔ وہ صرف محبوب کے خیال سے دل کو بہلا لیتے ہیں اور پرانی ملاقاتوں، محفلوں کو سوچ کر دن رات گزار دیتے ہیں۔ ''زنداں نامہ'' میں نظموں کے ساتھ ساتھ بہترین غزلیں بھی شامل ہیں۔ یہ غزلیں ان کی رومانی شاعری کا بہترین حصہ ہیں۔ زنداں نامہ کی نظموں میں قید و بند کی صعوبتوں، پریشانیوں، تکلیفوں کا ذکر ہے اور ان نظموں میں انقلاب اور بغاوت کی صدا سنائی دیتی ہے۔ ان تکالیف اور مصیبتوں کے باوجود فیضؔ نے بہترین رومانی شاعری بھی کی ہے۔ پانچ اشعار کی یہ بہترین اور مشہور غزل اس کی مثال ہے۔

شام فراق اب نہ پوچھ، آئی اور آ کے ٹل گئی
دل تھا کہ پھر بہل گیا، جاں تھی کہ پھر سنبھل گئی
بزم خیال میں ترے حسن کی شمع جل گئی
درد کا چاند بجھ گیا، ہجر کی رات ڈھل گئی
جب تجھے یاد کر لیا، صبح مہک مہک اٹھی
جب ترا غم جگا لیا، رات مچل مچل گئی
دل سے تو ہر معاملہ کر کے چلے تھے صاف ہم
کہنے میں ان کے سامنے بات بدل بدل گئی
آخر شب کے ہم سفر فیضؔ نہ جانے کیا ہوئے
رہ گئی کس جگہ صبا، صبح کدھر نکل گئی

(زنداں نامہ۔ صفحہ نمبر ۶۰)

فیضؔ عشق میں دل ہارنے کو جیت کہتے ہیں۔ انکا ماننا ہے کہ عشق پر کسی کی اجارہ داری نہیں ہے اور نہ ہی عشق پر کسی نام ذات یا نسب کی تہمت لگائی جا سکتی ہے۔ وہ عشق میں جان دینے کو شان سمجھتے ہیں۔ تین اشعار اس طرح ہیں۔

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا، وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے، اس جان کی تو کوئی بات نہیں
میدان وفا دربار نہیں، یاں نام و نسب کی پوچھ کہاں

عاشق تو کسی کا نام نہیں، کچھ عشق کسی کی ذات نہیں
گر بازی عشق کی بازی ہے، جو چاہو لگا دو، ڈر کیسا
گر جیت گئے تو کیا کہنا، ہارے بھی تو بازی مات نہیں

فیضؔ بلاشبہ ایک بہترین شاعر ہیں اور انھوں نے اکثر ان موضوعات پر لکھا ہے جو نظروں سے دیکھا یا تجربات سے سیکھا۔ وہ خونین انقلاب میں بھی لب یار کی خوشبو محسوس کرتے ہیں۔

یہ خوں کی مہک ہے کہ لب یار کی خوشبو
کس راہ کی جانب سے صدا آتی ہے دیکھو
گلشن میں بہار آئی کہ زنداں ہوا آباد
کس سمت سے نغموں کی صدا آتی ہے دیکھو

فیضؔ کی عظمت، شہرت، عزت اور قدر ان کی زندگی سے لے کر آج تک قائم ہے۔ نقاد اور تبصرہ نگار اپنے اپنے نقطۂ نظر سے فیضؔ کی شاعری کا جائزہ لیتے رہتے ہیں۔ میں اپنی بات کو احمد محفوظ کے ایک مضمون کے حوالے سے ختم کرنا چاہتا ہوں گا۔ احمد محفوظ کا مضمون "فیضؔ کے بارے میں چند باتیں" کے عنوان سے سہ ماہی اثبات شمارہ نمبر ۹ میں شائع ہو چکا ہے وہ لکھتے ہیں۔

"میں یہ بات پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ فیضؔ کے اچھے اور اہم شاعر ہونے میں کوئی کلام نہیں، لیکن اسی کے ساتھ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ فیض بڑے یا عظیم شاعر نہیں ہیں۔ یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ کسی شاعر کا عظیم نہ ہونا اس کی خامی یا کمزوری پر دلالت نہیں کرتا۔ اسی طرح یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ ہر اچھے شاعر کا بڑا اور عظیم ہونا ضروری نہیں لیکن ہر عظیم شاعر کا اچھا شاعر ہونا لازمی ہے۔ یعنی شاعری کی خوبی اور دلکشی وغیرہ ہمیشہ عظمت کی دلیل نہیں ہوتی اگرچہ کسی شاعر کی عظمت کا فیصلہ شاعر کے عرصۂ حیات کے بعد طویل زمانہ گزر جانے اور اسکی شاعری کے حسن اور معنویت کے قائم اور مستحکم ہونے کے بعد ہی ہوتا ہے لیکن اسکے ساتھ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اس شاعری میں عظمت حاصل کرنے کے عناصر اور امکانات کچھ پہلے سے بھی محسوس ہونے لگتے ہیں۔"

بحوالہ اثبات (شمارہ نمبر ۹۔ صفحہ نمبر ۱۰۳)

ہم اس حوالے میں احمد محفوظ کے صرف ایک جملہ پر اعتراض رکھتے ہیں وہ یہ "فیضؔ بڑے یا عظیم شاعر نہیں ہیں" ہمارا ماننا ہے کہ فیضؔ عظیم شاعر شاید نہ ہوں لیکن بڑے شاعر ضرور ہیں۔

Mohammad Asrar
Assistant Professor
Urdu Department
S.K. Prowal College of Art, Science & Commerce, Kamptee, Dist. Nagpur

Mob.9822724276

Email：asrarmohammad1977@gmail.com